ماخذ تحقیقی مجلہ

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-04

OPEN ACCESS

CC BY NC

ڈاکٹر گل عباس اعوان

استاد شعبہ اردو

قرطبہ یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان

تنقیدی اصطلاحات کا توضیحی مطالعہ "مقدمہ شعر و شاعری" کے تناظر میں

Dr. Gul Abbas Awan
Assistant Professor of Urdu
Qurtuba University Dera Ismail Khan.
Email: drgakhan1964@gmail.com

Tanqedi Istalahat ka Touzeehe Mutala, " Muqadma Sher-o-Sha'eri k Tanazar Mein"

"Muqaddama e Shair o Shairi" by Altaf Hussein Hali is one of the books which can be called the first recognized book on criticism in Urdu. Before it, we have only sentences which give a hint of "Ta'assurati Tanqeed" (Expressional Criticism) in the context of fasahat o balaghat, ilme uruz, ilme qafia, but Hali took it seriously and theorized the discipline of criticism. He made use of the concepts of Western critics like Milton and maintained the necessity of simplicity, ability and passion in poetry. Similarly he stressed the importance of imagination, the study of the universe and eloquence of words to achieve excellence in poetry. For this purpose, he made his point clear in "Muqaddama e Shair o Shairi" by using many current and new terms. This article will analyze these terms and trops used by Hali in this book in order to highlight the significance of this very first book on literary criticism in Urdu. Hali belonged to the Sir Sayyed school of thought. This school was founded on the purposeful literature. The terms used by Hali revolve around this thought, which accorded literature with the socio-political and cultural consciousness of the age. Many of these terms are used frequently in Urdu, but Hali has given Urdu literary criticism a new dimension by imparting these

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-04

terms new meanings. In this connection, it was quite essential to analyze these terms.

Key Words: *Dalalat, Jadeediat, Ranginiaan, Tahzeeb, Mustashrayqeen, Jehatlamukhtimm, Chashni, Asree Shaoor, Ishara, Misali Riaasat.*

دنیا بھر کے علوم میں موجود اصطلاحات اور ذخیرہ الفاظ مل کر اس کی معنوی حیثیت کے مقام و مرتبے کا تعین کرتی ہیں۔ کسی بھی زبان میں جتنی زیادہ اصطلاحات رائج ہوں گی وہ اس زبان کی مضبوط علمی روایت پر دلالت کریں گی۔ انسان نے جوں جوں وقت کے ساتھ ترقی کی منازل طے کیں اسی طرح وہ اپنی بات کو مختصراً مگر جامع انداز میں رائج کرنے کی طرف مائل ہوا۔ زمانے کی رفتار کے ساتھ اسی زبان کا سمندر اصطلاحات کے کوزہ میں بند ہونے لگا۔ آج کے اس دور میں ہر زبان اور علم کی دنیا میں نت نئی اصطلاحات کا اضافہ ہو رہا ہے۔ جو کہ ان علوم کی ترقی کا منھ بولتا ثبوت ہے۔

اسی بات کو اگر اردو زبان اور اس میں وقت کے ساتھ مختلف علوم کے اثرات کے تناظر میں دیکھا جائے اور اس بات پر غور کیا جائے کہ برصغیر پاک و ہند کے لوگوں کی علمی پیاس بجھانے کے لئے اصطلاحات کی کیا ضرورت اور اہمیت رہی تو یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ہر زمانہ میں نئے الفاظ اور اصطلاحات زبان کی ترقی میں کردار ادا کرتے رہے ہیں مگر ہمارے ہاں ۱۸۵۷ء کے بعد علمی اور فکری سطح پر جو تبدیلی رونما ہوئی اور مختلف طریقوں سے یہاں کے لوگوں کی علمی سطح کو بلند کرنے کے لئے جو اقدامات کیے گئے اس کے پیشِ نظر بہت سے جدید علوم کو اپنی زبان میں منتقل کیا گیا۔ اسی دور میں احیائے قوم اور احیائے مذہب کی تحریکیں شروع ہوئیں مغربی علم و فن سے اخذ و استفادہ کا رجحان پیدا ہوا۔ نتیجے کے طور پر جہاں سائنس اور دیگر بشری علوم کی اشاعت ہوئی وہیں ادب اور فن میں بھی ضخیم اضافے کا عمل رونما ہوا۔ شاعری کے ساتھ اردو نثر میں بھی تغیر رونما ہوا اس سلسلہ میں علی گڑھ تحریک اور اسی دور میں حالی، شبلی جیسی شخصیات نے اردو ادب کے لئے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ حالی کے ہاتھوں تنقید نے تذکرہ نگاری سے آگے بڑھ کر نئے عہد کے تقاضوں کا ساتھ دینے کی کوشش کی۔ ادب اور تنقید کی اس بدلتی صورتحال میں جدید علوم اور تنقید کی صورتحال بدلی اور مغربی اور سائنسی علوم سے استفادہ کیا گیا جس کے پیش نظر نئی نئی ادبی اصطلاحات وضع کی گئی اور اس سلسلہ میں دلی کالج، جامعہ عثمانیہ، کے تراجم نے اہم کردار ادا کیا۔

اصطلاح ہوتی کیا ہے؟ یہ عموماً وہی الفاظ ہوتے ہیں جو روزمرہ زندگی میں بولے جاتے ہیں۔ تاہم کسی خاص علمی اور تکنیکی میدان کے لوگ اس کے معانی کو خاص مطلب کے لئے استعمال کرتے ہیں تاکہ زیادہ لمبی گفتگو

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-04

ماخذ تحقیقی مجلہ

کی بجائے ایک ہی لفظ کے ذریعے مفہوم سمجھا جا سکے مختلف ماہرین نے اصطلاح کی تعریف مختلف انداز میں کرنے کی کوشش کی ہے۔ فرہنگِ آصفیہ میں سید احمد دہلوی نے اس بات کو کو کچھ ایسے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

"جب کوئی قوم یا فرقہ کسی لفظ کے معنی موضوع کے علاوہ یا اس سے ملتے جلتے کوئی اور معنی ٹھہرا لیتا تو ہے تو اسے اصطلاح یا محاورہ کہتے ہیں۔ کیونکہ اصطلاح کے لغوی معنی باہم مصلحت کر کے کچھ معنی مقرر کر لینے کے ہیں۔ اسی طرح وہ الفاظ جن کے معنی بعض علوم کے واسطے مختص کر لیے ہیں اصطلاح علوم میں داخل ہیں۔"(۱)

گویا ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی لفظ کسی شعبہ علم میں کسی خاص اور جداگانہ معانی کے ساتھ رائج ہو جاتا ہے اور اس لفظ کے استعمال سے وہی خاص مفہوم ذہن میں آتا ہے تو یہ تمام علوم میں رائج اصطلاحات ہو سکتی ہیں۔ اسی بات کو مولانا وحید الدین سلیم کچھ یوں نقل کرتے ہیں:

"اصطلاحیں دراصل اشارے ہیں جو خیالات کے مجموعوں کی طرف ذہن کو فوراً منتقل کر دیتے ہیں۔"(۲)

اردو زبان نے بیسویں صدی میں جس تیزی کے ساتھ دوسرے علوم سے استفادہ کیا ہے اسی کے ساتھ اس زبان کے دامن میں نئے الفاظ اور اصطلاحات کا بھی اضافہ ہوا ہے یہ ہماری زبان کی خوش قسمتی ہے کہ اس کا تعلق ہمیشہ ترقی یافتہ علمی و ادبی زبانوں سے رہا ہے۔ اور دوسری زبانوں سے الفاظ و تراکیب کو قبول کرنے کی وسعت اس زبان میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ اس وقت اردو میں بیشمار اصطلاحات رائج کی جا چکی ہیں۔ اکثر اصطلاحات اپنی جامعیت اور لطافت کے حوالہ سے رواں بھی ہیں اور اس میں رچ بس گئیں ہیں۔ مگر ان اصطلاحات کو رائج کرنے میں وسیع مطالعہ ہونا بہت ضروری ہے۔ جس زبان کے اثرات قبول کئے جا رہے ہیں۔ اور جس زبان میں کوئی اصطلاح رائج ہو رہی ہے دونوں زبانوں میں اس اصطلاح کے استعمال میں مکمل سیاق و سباق سے واقفیت بہت ضروری ہے اور اصطلاح سازی ترجمہ سازی سے بالکل الگ ہے اسی بات کی طرف ڈاکٹر اشرف کمال نے کچھ یوں اشارہ کیا ہے۔

"اصطلاحات سازی، ترجمہ اور لفظ سازی سے بالکل الگ چیز ہے۔ اصطلاحات بناتے وقت نہایت سوچ بچار اور غور و فکر سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس کام کے انجام کے لئے وسیع مطالعہ اور ذخیرہ علمی کا ہونا بہت ضروری ہے۔"(۳)

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-04

ہماری اصطلاحات کا بیشتر سرمایہ عربی اور فارسی لغات سے حاصل کیا گیا ہے۔ جیسے ہندی اصطلاح سازی کے لئے سنسکرت ان کی مجبوری بن گئی ہے۔ اگر پچھلے کچھ عرصہ کی تنقید کو بغور دیکھا جائے تو ان کے ذہنی پس منظر کی تشکیل میں مغربی زبانوں اور مغربی ادب کا نمایاں ہاتھ ہے۔ انہوں نے اردو مبادیات کے لئے فارسی اور عربی مادوں کو ہی بنیاد بنایا ہے۔ مگر آج کل جس تیزی کے ساتھ بہت سے دوسرے علوم سے استفادہ کیا جارہا ہے اور جدید علوم اور ادب کے تراجم کر کے اپنی زبان میں منتقل کئے جارہے ہیں، اس کے پیش نظر بہت سی اصطلاحات کو ہو بہو رائج کرنا ضروری ہو گیا ہے کیوں کہ ہمارے پاس ان کے متبادل الفاظ عربی اور فارسی میں موجود نہیں ہیں۔

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ جس دور میں جامعہ عثمانیہ، انجمن ترقی اردو نے کام کیا اس عہد کی ضرورت کچھ اور تھی۔ مجبوراً اس وقت اہل علم کے پاس عربی اور فارسی لغات ہی تھیں، جن سے استفادہ کیا مگر آج کے عہد میں نہ وہ فارسی اور عربی کے ماہر اساتذہ موجود ہیں اور نہ ہی ان زبانوں کو اس حد تک سمجھنے والے موجود ہیں۔ اس معاملہ کے پیش نظر جدیدیت کے منظر نامے میں ہمیں چند گروہ نظر آتے ہیں جو اپنی دانست کے مطابق اصطلاح سازی کے عمل کو بیان کرتے ہیں۔ اب عربی اور فارسی جاننے والی نسل ختم ہو رہی ہے۔ اصولِ لسانیات اور قواعد کے مطابق اصطلاح سازی کا انداز بدل رہا ہے۔

اس سلسلہ کا آخری مسئلہ اردو میں اصطلاحات کی کیفیت کمیت کا سامنے آتا ہے۔ جہاں تک کیفیت کا تعلق ہے اردو اصطلاحات اپنے علمی معیار اور معانی کی جامعیت کے لحاظ سے کسی دوسری زبان سے کم نہیں ہے اور نہ ہی اس کی اہمیت سے انکار کیا جا سکتا ہے بلکہ وقت کے ساتھ ترقی کر رہی ہے اس سلسلہ میں ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہاں پوری لکھتے ہیں کہ:

> "اس زبان کی کمیت اور کیفیت کی وسعت تمام علوم وفنون اور ان کے فروغ تک پھیل چکی ہے اور کم وبیش سے قطع نظر شاید بھی کوئی قدیم اور جدید علم ایسا ہو جو اردو اصطلاح سازی میں اہلِ علم کی توجہ سے محروم ہو۔"(۴)

ماہرین زبان ولسانیات کی تحقیق کے مطابق انسان نے جب اس دھرتی پر زندگی کی شروعات کی تو وہ قوت گفتار سے محروم تھا۔ سوچ وخیالات کے انتقال کے لیے کسی پیرائے، میڈیم یا وسیلہ کی ضرورت تھی کہ جس کے ذریعے وہ اظہارِ ذات وکائنات کر سکے۔ تو گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ اظہار ذات وکائنات کے لئے انسان نے آگے چل کر جو کچھ اختراع کیا وہ مقصدیت کے دائرے میں شامل ہو جاتا ہے اور اس کے پس پردہ ان ایجادات اور ارتقاء

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-04

ماخذ تحقیقی مجلہ

کے لیے اپنے اپنے مقاصد آتے ہیں۔ گویائی سے محروم انسان نے آگے چل کر نشانات و اشارات سے مدد لینا شروع کی اور من کی ترجمانی چند علامات و نشانات کی صورتوں میں کرتا رہا۔ جب اس کے خیالاتِ بے کراں نے اس جامہ کو تنگ محسوس کیا تو پھر اس نے متبادل کے طور پر کچھ صوتیں ایجاد کیں کہ جس کے ذریعے سے اس نے اظہارِ ذات کے عمل (آرٹ) کی بجائے لفظ (قول) کے پیرائے میں لا کھڑا کیا۔

" لفظ سماجی ضرورت تھا اس لیے اس نے ایک دن ایجاد ہونا ہی تھا۔ جس دن لفظ کی صورت میں انسان کو اسمِ اعظم مل گیا اسی دن سے تہذیب و تمدن کو محفوظ کرنے کے عمل کا آغاز بھی ہو گیا اور تاریخ عالم وجود میں آ گئی ۔"(۵)

اور مزید؛

"لسانیات کے اصول ہمیں قیاسی طور پر یہ بتاتے ہیں کہ روئے زمین پر انسانوں کا شروع دور کا گروہ کوئی زبان (جیسا کہ آج زبان بولی جاتی ہے) نہیں بولتا تھا۔ ان کو اپنے مطلب و مقصد کے لیے اشاروں کی زبان یا حرکات و سکنات والی بولی سے کام چلانا پڑتا ہو گا جو کسی خاص یا ایک ہی محدود خطے میں ان کے کام آیا ہو گا ۔"(۶)

خیالات کے انتقال کے سلسلہ میں جب بہت سی دشواریاں اور ناہمواریاں آسانی میں تبدیل ہونا شروع ہو گئیں تو صوتوں نے اپنے ارتقائی مراحل طے کرنا شروع کر دیے۔ تاریخ کے ان ادوار میں آوازوں نے مختلف جذبات اور خیالات کے اظہار کے لیے اپنی صوتی اشکال تبدیل کرنا شروع کر دیں۔ مگر انسان نے جب مشاہدات و تجربات اور محسوسات کے ذریعے اس کائنات میں بے شمار رنگینیاں و حوادث کا سامنا کیا تو پھر اظہارِ خیال کے لئے ان چند صوتوں (آوازوں) کا اکٹھ بھی ناکافی محسوس ہونا قرار پایا۔ ارتقاء کے اس مرحلے میں لفظ الفاظ کی صورت میں ڈھلنا شروع ہوئے اور پھر جملے کا وجود سامنے آیا۔ مختلف الفاظ نے آپس میں کچھ خاص ترتیب کے ساتھ آپس میں جڑنا شروع کیا تو خیالات کے اظہار میں پہلے کی نسبت بہت زیادہ آسانی پیدا ہو گئی اور اب جذبات کا اظہار اپنی مکمل قوت کے ساتھ ہونا شروع ہو گیا۔ تاریخ کے ان سست و سیاہ ادوار میں انسانی شعور نے ارتقا پانا شروع کیا۔

"انسان نے اپنی طویل تاریخ میں جو اکتسابات کیے ہیں ان میں انتہائی بیش بہا "زبان" ہے انسان کا سب سے زیادہ قابل تعریف کارنامہ "زبان" ہی ہے۔"(۷)

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-04

جونہی معاشرہ ارتقاء کر کے تہذیب میں ڈھلا تو بولی بھی زبان سے ہوتی ہوئی ادب کی صورت میں آچکی تھی۔ ارتقائی سفر کے دورانیے پر انسان نے زبان کو تحریر کی صورت میں محفوظ کرنا شروع کر دیا اور تحریر کا سلسلہ بھی اپنے مدارج کو ارتقاء کے ساتھ طے کرتا ہوا عصرِ حاضر پر آن پہنچا ہے۔ منظم تہذیب سے آج تک زبان نے ترجمانی کے ساتھ ساتھ تحریر کی صورت میں ان تہذیبوں کو جاودانی بخشی ہے۔

زبان کے آغاز وارتقا کا تعلق اس خطہ ارضی کی تہذیب و تاریخ سے ہوتا ہے کہ جس جگہ یہ زبان بولی جارہی ہوتی ہے۔ وہ تمام عوامل کہ جن کی وجہ سے کوئی زبان اپنے وجود کو ظاہر کر پاتی ہے اور اس خطہ کی تاریخ میں پیوست ہوتے ہیں۔ بہت سے اغراض و مقاصد شعوری اور لاشعوری سطحوں پر کسی زبان کی طویل عرصوں سے آبیاری کرتے چلے آرہے ہوتے ہیں۔

"برصغیر ہند کی وسعت ایک ایسے سمندر جیسی ہے جس میں مختلف زبانوں کے دھارے ملتے ہیں۔ اس میں جتنا لسانی تنوع ملتا ہے شاید ہی دنیا کا کوئی اور خطہ مثال پیش کر سکے۔ یہاں کے مخصوص تاریخی حالات اور تمدنی عوامل کی بناء پر زبانیں باہم اثر پذیر ہوتی رہیں۔ اس لیے اردو کا مطالعہ محض "اردو" کا مطالعہ نہیں رہتا بلکہ اور بھی کئی زبانوں کے تجزیاتی اور تقابلی مطالعے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس لیے لسانی مباحث میں متنوع مگر نزاعی نظریات ملتے ہیں۔"(۸)

اردو زبان کے آغاز و ارتقاء کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے کہ جتنی ہندوستان کی تہذیب کی منظم تاریخ ہے۔ اس لحاظ سے ہم ہندوستان کی تہذیبی تاریخ کو اردو زبان کی تاریخ بھی کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ دونوں کی قدامت کا اندازہ اور نقوش کے حوالے ایک ہی طرح سے جڑے ہوئے سامنے آتے ہیں۔

اگرچہ اردو زبان کا تعلق براہ راست ہندوستان سے ہے مگر اس کے آغاز و ارتقاء میں بہت سی اقوام کی داستانیں شامل ہیں کہ جنھوں نے مختلف عہد میں اس زبان کی آبیاری کے لیے اپنے اپنے خطوں اور تہذیبوں سے پانی بھر بھر کر ہندوستان لاتی رہی ہیں۔ ہمیشہ سے زبانیں ایک دوسرے کے اثرات قبول کرتی آرہی ہیں۔ یہ اثرات فکری اور فنی دونوں سطحوں پر مشتمل ہو سکتے ہیں۔ یہ اس صورت میں ممکن ہوتا کہ جب ایک زبان کا واسطہ کسی دوسری زبان کے ساتھ پڑے۔

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-04

"زبان کی پیدائش کے بارے کوئی قطعی بات کہنا اس لیے مشکل ہے کہ یہ کسی وقت معینہ پر پیدا نہیں ہوتی بلکہ سماجی ضرورت کے تحت ایک طویل عمل سے وجود میں آتی ہے۔ اور سماجی تقاضوں کے سبب اس میں تغیر و تبدل کا عمل شعوری اور غیر شعوری دونوں سطحوں پر جاری رہتا ہے۔ اس لئے محققین لسانیات کے نزدیک جب کسی خاص زمانے میں کسی زبان کی شکل کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا کہ اس زمانے میں زبان ارتقاء کی کس منزل پر تھی۔ بڑے بڑے سیاسی اور سماجی انقلابات اس ارتقائی عمل کو شدت سے متاثر کرتے ہیں اور ان سے گزرنے کے بعد زبان میں نکھار آتا ہے اسے ارتقاء کی کسی نئی منزل سے یاد کیا جاتا ہے۔"(۹)

دنیا کی باقی زبانوں کی نسبت اردو زبان کے ساتھ یہ معاملہ سب سے زیادہ درپیش آیا ہے۔ یہ ہماری تہذیب اور زبان کی کچھ ذاتی خصوصیات اور وجوہات ہیں جن کی وجہ سے ایسا کچھ ہوتا رہا۔

اردو زبان کا رشتہ ہندوستان کی تہذیب اور مقامی زبانوں کے ساتھ ساتھ تمام اقوام، ان کی تہذیب و ثقافت اور ان کی زبانوں سے کسی نہ کسی صورت ضرور جڑتا ہے کہ جو ہندوستان سے منسلک رہے ہیں۔ اس بات کی واضح دلیل یہ ہے کہ آج بھی دنیا میں اگر نئے رجحان تخلیق و تنقید اور تحریک کو فروغ ملے تو اس کی ہوا ہندوستان اور اردو زبان تک ضرور پہنچتی ہے۔

اگر ہم اردو بطور زبان اور ادب کے تناظر میں دیکھیں تو اس کا ذخیرہ الفاظ انہی لوگوں کا عطا کردہ ہے کہ جو اپنے اپنے کچھ اغراض و مقاصد لے کر آتے رہے اور خونریزی کے میدان سجتے رہے۔ اگر ہم اردو زبان کے فکری پہلوؤں کا جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آتی ہے اس کی نو آبادیاں اس کی فکر کو ارتقاء بخشتی ہیں اور اس کی فکر ان نو آبادیوں کو مختلف پہلوؤں سے گھیرنے کی کوشش میں مگن ہے۔ ہم اگر اردو اصناف ادب کا جائزہ لیں تو ان میں بھی زیادہ تر کا تعلق ہندوستان کے اصل وسیب سے نہیں ہے بلکہ یہ کسی نہ کسی عہد میں حملہ آوروں کے ساتھ سفر کرتی یہاں پر پہنچتی ہیں۔

زبان کسی بھی تہذیب کا بہت اہم پہلو ہوتی ہے۔ زبان میں اس تہذیب کی تمام معلومات موجود ہوتی ہیں، کسی بھی زبان میں اس کی تہذیب کا تمام تر سیاسی و سماجی اور نفسیاتی شعور موجود ہوتا ہے۔ جب انگریز ہندوستان وارد ہوئے تو انھوں نے ایک تو مجبوری کے تحت یہاں کی زبان سیکھنا شروع کی مگر بعد میں جب ان کے ذہن میں اقتدار کی

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-04

سوچ پیدا ہوئی تو انھوں نے جہاں دوسرے پہلوؤں کو استعمال کیا وہیں زبان بھی شامل تھی۔ عوامی سطح پر استعمال ہونے والی زبان اور تخلیق ہونے والے ادب کو انگریزوں نے ذاتی مقاصد کی خاطر استعمال کیا۔

آغاز میں جب انگریز ہندوستان آئے تو انھوں نے تجارت کے ساتھ ساتھ عیسائیت کی تبلیغ کے مشن کا بھی فریضہ شروع کیا۔ اس سلسلے میں انھوں نے مقامی زبانوں کو مناسب سمجھا اور انہیں زبانوں کے ذریعے تبلیغ شروع کی۔ یورپین اقوام سمجھتے تھے کہ مقامی زبانوں میں مذہبی لٹریچر کے تراجم سے تبلیغ کا کام بہت زیادہ آسان ہو جائے گا لہٰذا اردو نثر کے تراجم میں مذہبی عنصر بھی اہمیت کا حامل رہا ہے جس سے مختلف مذاہب کی تبلیغ کا فریضہ انجام دیا گیا۔

اس کے بعد مستشرقین نے ہندوستانی زبانوں کی گرامر ترتیب دینے پر خیال مرکوز کیا اس سلسلے میں بہت سے نام شامل ہیں کہ جنہوں نے چھوٹی چھوٹی گرامر کی ڈکشنریاں ترتیب دیں۔ ان کا اصل مقصد تو نئے آنے والے لوگوں کو مقامی زبانوں سے واقفیت دلانا تھا۔ کمپنی کے اعلیٰ افسران نے وقت کی ضرورت کو سمجھا اور زبان کے ذریعے ہندوستانی معاشرے کو سمجھنے پر زور دیا۔

فورٹ ولیم کالج کے بنیادی محرکات سیاسی تھے مگر انگریزی، فارسی، عربی، سنسکرت اور ہندی کے ادب سے ذخیرہ جو روایتیں اردو نثر کی زرخیزی کے لیے ضروری تھی وہ تمام یہیں سے مہیا ہوئی ہیں۔ اردو نثر جو سست روی سے صدیوں کا سفر طے کر رہی تھی اس صدی کے اندر ان تمام موضوعات کو اپنے دائرے میں لے آئی کہ جس کو کسی بھی بڑے ادب کی نثر لا سکتی تھی۔

یہ وہ نثری اسلوب تھا کہ جو آگے چل کر علی گڑھ تحریک کا پیش خیمہ بنا۔ اس کی بنیادوں پر انجمن پنجاب کا آغاز ہوتا ہے اور یہی وہ بنیادی ماخذ ہے کہ جو اردو نثر کو دنیا کے دیگر علوم سے روابط کی بنیاد فراہم کر رہا ہے۔

> "اردو نثر کی تاریخ میں فورٹ ولیم کالج ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا قیام اگرچہ انگریزوں کی سیاسی مصلحتوں کے تحت عمل میں آیا لیکن اس سے اردو نثر کو بہت فائدہ پہنچا۔"(۱۰)

مجموعی طور پر اگر فورٹ ولیم کالج کی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ فورٹ ولیم کالج نے اپنے عہد کی سیاسی ضرورتوں کو پورا کرنے میں اپنا مقصدی کردار نبھایا ہے۔ مگر ادبی لحاظ سے دیکھا جائے تو اس نے اس عہد میں جو بنیادیں اردو نثر کو فراہم کی ہیں ان پر آج تک اردو نثر خود کو استوار کر رہی ہے۔ جتنی بھی دیگر اصناف اردو نثر میں شامل ہوئی ہیں اس کے پس پردہ فورٹ ولیم کالج ایک محرک کے طور پر رہا ہے۔ کیونکہ اردو

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-04

نثر جس رفتار سے چل رہی تھی وہ وقت کی رفتار کی نسبت ناکافی تھی۔ اگر تراجم کی صورت نہ لائی جاتی اور سادہ و آسان و عام فہم زبان استعمال نہ ہوئی ہوتی تو یہ امر بہت مشکل تھا کہ اردو نثر اتنی جلدی ترقی کر پاتی اور دیگر زبانوں کے ادب سے روشناس ہو سکتی۔

سر سید اور ان کے رفقاء بذات خود جدید تعلیم سے اثرات قبول کر رہے تھے مگر ان کی فکری سطح اس قدر بلند تھی کہ ان سوچوں کو مکمل طور پر ڈسکورس شدہ جدیدیت کے نہ تو خود کو حوالے کیا اور نہ ہی اس سے مکمل انکار کیا۔ سر سید کی تحریک کا اگر مجموعی طور پر جائزہ لیا جائے تو اس کی سب سے بری خصوصیت اجتہاد کی ہی ہے۔ انھوں نے معاشرے کو ہر پہلو سے جدید دوور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔ فرسودہ روایات کی نفی کی گئی۔ منطق اور فکر کو جلا بخشی گئی۔ جذبات کی جگہ سوچ کو پروان چڑھایا گیا۔ مسلم قوم کی موجودہ صورتحال کو بہتر کرنے کے لئے ہر وہ ممکنہ قدم اٹھایا گیا جو اس عہد کا تقاضہ تھا۔ مذہبی، سیاسی، سماجی و تہذیبی سطحوں پر اصلاحات کا سلسلہ شروع کرنے کو نئے ڈگر پر لانے کی کوشش کی گئی۔

علی گڑھ تحریک نے اپنے اغراض و مقاصد کے حصول کے لئے ادب کو آلہ کار کے طور پر استعمال کیا۔ اگرچہ علی گڑھ تحریک کا مقصد خالصتاً ادبی فروغ نہیں تھا مگر ادب وہ واحد راستہ تھا کہ جس کی مدد سے اصلاحِ قوم کا فریضہ انجام دیا جا سکتا تھا۔ لہٰذا سر سید اور ان کے رفقاء نے ماضی کے اردو ادب کا جائزہ لینے کے بعد یہ نتیجہ نکالا تھا کہ ماضی کا ادب اس قابل نہیں ہے کہ موجودہ دور کے تقاضے پورے کر سکے تو علمی ضرورت اس بات کی ہے کہ ادب کا رخ داخلیت سے خارجیت کی طرف موڑ دیا جائے۔ اردو ادب کی روایت میں یہ پہلا موقع تھا کہ جہاں ادب میں اجتہادی تصور نے جنم لیا۔ اس سے قبل اردو ادب میں سب سے طاقتور صنف غزل ہی تھی مگر غزل کا زیادہ جھکاؤ داخلیت میں مرکوز تھا۔

علی گڑھ تحریک کا مقصد ماضی کے ادب کے مقاصد سے یکسر مختلف تھا۔ انھوں نے ایسا ادب تخلیق کروایا کہ جس میں عقل و خرد کو جذبات پر اور حقیقت کو تخیل پر فوقیت دی گئی تھی۔ اس کے لئے وہ تمام دروازے کھول دئے گئے کہ جہاں سے تازہ ہوا داخل ہو سکے۔ نئے ادب کو تخلیق کرنے کے لئے نئی اصناف کو متعارف کروایا گیا۔ جہاں سے ممکن ہو سکا تراجم کرائے گئے۔ تخلیق کار جو علی گڑھ کے اثرات قبول کر رہے تھے مقصدی و اصلاحی ادب تخلیق کرنے کی خاطر زور دیا گیا۔ ماضی کے ادب کی ایک خامی یہ تھی کہ یہ ادب مقتدر طبقہ کا ادب ہے اس میں

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-04

ماخذ تحقیقی مجلہ

استعمال ہونے والی زبان عوامی نہیں بلکہ زبان کی چاشنی اور بھاری بھر کم الفاظ صرف محظوظ ہونے کی خاطر تھے۔ اس لئے عوامی سطح پر ادب کو لایا گیا اور فکر کو تمام کرنے کے لئے سادگی کو ملحوظِ خاطر رکھا گیا۔

علی گڑھ تحریک کا مقصد ماضی کے ادب کے مقاصد سے یکسر مختلف تھا۔ انہوں نے ایسا ادب تخلیق کروایا کہ جس میں عقل و خرد کو جذبات پر اور حقیقت کو تخیل پر فوقیت دی گئی تھی۔ اس کے لئے وہ تمام دروازے کھول دئے گئے کہ جہاں سے تازہ ہوا داخل ہو سکے۔ نئے ادب کو تخلیق کرنے کے لئے نئی اصناف کو متعارف کروایا گیا۔ جہاں سے ممکن ہو سکا تراجم کرائے گئے۔ تخلیق کار جو علی گڑھ کے اثرات قبول کر رہے تھے مقصدی و اصلاحی ادب تخلیق کرنے کی خاطر زور دیا گیا۔ ماضی کے ادب کی ایک خامی یہ تھی کہ یہ ادب مقتدر طبقہ کا ادب ہے اس میں استعمال ہونے والی زبان عوامی نہیں بلکہ زبان کی چاشنی اور بھاری بھر کم الفاظ صرف محظوظ ہونے کی خاطر تھے۔ اس لئے عوامی سطح پر ادب کو لایا گیا اور فکر کو تمام کرنے کے لئے سادگی کو ملحوظِ خاطر رکھا گیا۔

حالی کی شخصیت نے سب سے زیادہ اثر سر سید احمد خان اور علی گڑھ کی تحریک سے حاصل کئے۔ حالی کا فکری ارتقاء اصل میں علی گڑھ تحریک کے مقاصد کی تکمیل کا ارتقاء ہے۔ حالی کی فکر اور علمی و ادبی کارناموں کو علی گڑھ تحریک کا عملی نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے۔"مقدمہ شعر و شاعری" مقصدی شاعری کا منشور کے طور پر منظرِ عام پر آتا ہے۔

> "مقدمہ شعر و شاعری حالی کے دیوان کے ساتھ ۱۸۹۳ء میں پہلی اور آخری بار شائع ہوا۔ ایک الگ تنقیدی دستاویز کے طور پر یہ حالی کی زندگی میں کبھی شائع نہیں ہوا۔ ۱۹۱۳ء میں پہلی بار یہ دیوان سے الگ شائع ہوا اور تب سے اب تک بلاشبہ اس کے سینکڑوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔"(۱۱)

مقدمہ شعر و شاعری جب سے منظر عام پر آیا ہے تب سے آج تک بحث و تکرار کا موضوع بنا ہوا ہے۔ مقدمہ کی فکری جہات لا مختتم ٹھہری ہیں۔ اردو ادب کی تنقیدی روایت مقدمہ سے قدیم ہے۔ لیکن اس سے قبل تنقیدی آراء، گلدستوں، تذکروں میں علامتی سطحوں پر بکھری ہوئی تھیں۔ مقدمہ سے قبل کوئی منظم تنقیدی صورت موجود نہیں تھی۔ مقدمہ کو اردو تنقید کی پہلی بنیادی کڑی تصور کیا گیا ہے۔

"مقدمہ شعر و شاعری" اپنے عہد کی سیاسی و سماجی صورت کا نتیجہ ہے۔ مقدمہ کا صحیح معنوں میں جائزہ لینے کے لئے ضروری ہے کہ اس عہد کے ادبی رجحانات، سیاسی صورتحال اور اس عصری شعور کے اندر ارتقاء پاتی

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-04

ہوئی حالی کی فکر کا احاطہ کیا جائے۔ حالی ابتداء میں عربی و فارسی ادب کا دلدادہ تھا اور ابتدائی تعلیم بھی انہیں زبانوں کے علوم میں حاصل کرتا رہا۔ شاعری کے حوالے سے حالی اصلاً غزل کا شاعر ہے ان کے دل میں سب سے زیادہ غزل کی ہی محبت تھی۔ یہ وہ عہد تھا کہ جس میں ہندوستان کے سیاسی و سماجی حالات بہت تیزی کے ساتھ تبدیل ہو رہے تھے۔ یہ وقت کا تقاضا تھا کہ حالی نے بھی اصلاحی و تنقیدی ادب کی طرف رجوع کیا اور مقدمہ شعر و شاعری جیسی نادر تصنیف کو وجود ملا۔

> "اردو تنقید میں ادب اور زندگی کے رشتے پر بحث کا آغاز حالی کے مقدمہ افلاطون شعر و شاعری سے ہوتا ہے۔[۱۲]

حالی کا مقدمہ دراصل کی "مثالی ریاست" میں ادب کی مقصدیت اور ارسطو کے نظریہ کیتھارسس کی ارتقائی ہندوستانی تنقیدی خاکہ کو پیش کرتا ہے۔ اس میں دونوں امتزاج شامل ہیں۔ وہ ادبی مقصدی پہلو کہ جس کی افلاطون کو ضرورت تھی اور اصلاح معاشرہ کے لئے ادب کو استعمال میں لا کر متحرک کرنے کی کوشش میں تھا پھر ارسطو کی بوطیقا میں ادب کو جس معاشرہ کی تشکیل کے لئے فکر دی جا رہی تھی۔ بیسویں صدی کے اختتام پر ہندوستانی سرزمین میں حالی بھی اسی اشتراک کی ارتقائی صورت سے ہند کی حالت تبدیل کرنے کے لئے فکر مند نظر آتا ہے۔

حالی کا مقدمہ شعر و شاعری مقصدی اور اصلاحی ادب کی تشکیل کے لئے بنیادی فریم ورک تھا۔ اس سے قبل ادب برائے زندگی کے نقوش تو اردو شاعری میں موجود تھے مگر منظم طور پر ایک رجحان کے پہلی بار ایسے ادب کی تشکیل علی گڑھ تحریک کی مرہون منت ہی ہے۔ حالی جو کہ علی گڑھ تحریک کے متحرک رہنماء کے طور پر تھے اور ان کا اصل میدان شاعری ہی تھا تو انھوں نے تخلیقی طور پر شاعری میں تبدیلیاں لانا شروع کیں اور ان اثرات کے تحت ایسا ادب تخلیق کیا کہ جس میں علمی سطحوں پر علی گڑھ تحریک کے مقاصد پر پورا اترتا تھا۔ اس لئے مخالف بازوں کے ادیبوں کی طرف سے جو ردِ عمل کا پلیٹ فارم بنا ہوا تھا ان کو مدلل انداز سے افادی و مقصدی شاعری کا جواز دینے کی خاطر دیوان کا مقدمہ تحریر کیا گیا کہ جس نے اردو تنقید کی منظم تحریک کو جنم دیا۔

> "یہ امر ہر حالی شناس پر روشن ہے کہ ان کی شاعری قدیم اور جدید کے درمیان ایک پل کی حیثیت رکھتی ہے۔ انھوں نے بعض قدیم روایتوں کو چھوڑ کر شعر کی نئی وادیوں میں قدم رکھا۔ انہوں نے پرانی تربیت کو نئے مواد زندگی کا خادم بنایا اور نئے ذوق شعری کو جنم دیا جس سے ان کے معاصر اور بعد میں آنے والے متاثر ہوئے۔ "[۱۳]

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-04

ماخذ تحقیقی مجلّہ

تحریک علی گڑھ نے سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لئے اردو ادب کو بذریعہ ترسیلِ فکر استعمال کیا۔ اس سے قبل اردو شاعری اور اردو نثر میں رنگینی اسلوب اور تخیل کی بلندی و فنی محاسن عروج پر تھے۔ اس لئے جو ادب تخلیق ہو چکا تھا وہ مقتدرہ کا ادب تھا اور اسے عمومی و عوامی سطح نصیب نہیں ہو سکی تھی۔ اصلاحی ادب کا مقصد ترویج و ترقی مسلمانان ہند تھا تو اس لیے اس کا فکری پہلو نہایت اہمیت کا حامل تھا۔ فکر کو فرد تک پہنچانے کی خاطر سادگی اور سلاست کی نہایت ضرورت تھی۔ فنی محاسن جب عروج پر ہوں تو فکر ان کے سایوں میں دب کر رہ جاتی ہے یا پھر ادائیگی میں مکمل طور پر الفاظ میں نہیں سماسکتی۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ فن کی بلندی اور اسلوبی رنگارنگی کی وجہ سے فن پارہ عام قاری کی رسائی سے دور نکل جاتا ہے۔ مگر علی گڑھ تحریک کے پیشِ نظر ہر فرد چاہے وہ ادب پسند ہو یا یہ ہو قوم کی اصلاح کے لئے یکساں اہمیت کا حامل ہے اور فکر کی اصلاح کے لئے یکساں اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اس لئے علی گڑھ تحریک نے ادب میں سادگی کو سلاست رویہ کو پروان چڑھا کر اردو ادب میں جہاں جدید اسلوب کو متعارف کروایا وہاں وہاں عام قاری کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔

حالی کے ہاں اسلوب کی سادگی و سلاست جو تبدیل ہوئی اور فارسیت و عربیت کے سایوں سے اردو نثر کو دور لے کر جدید طرز اور آسان بیانیہ پیدا کرنے کا ارتقاء نظر آتا ہے وہ اسی تحریک کے اثرات کی بدولت ہی ہے۔ حالی نے جہاں دیگر اصناف ادب جیسے سوانح نگاری اور تنقیدی خطوط میں سادگی سے کام لیا وہ مقدمہ شعر و شاعری کا بیانیہ بھی نہایت عام فہم و سادہ رکھا۔ اور مقدمہ کے اندر سادگی و سلاست بیان اور اسلوب نگاری کے بارے میں وضاحت سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ یہ تمام کچھ مقصدی و افادی ادب کی تشکیل و ترویج کی خاطر ہی عمل میں لایا گیا۔

> "حالی کے ناقدین بالاتفاق ان کے اسلوب بیان کی جس طرف سب سے پہلے اشارہ کرتے ہیں۔ وہ سادگی ہے۔ ۱۸۹۳ء میں انھوں نے جب اپنا بے مثل تنقیدی کارنامہ "مقدمہ شعر و شاعری" پیش کیا تو اس میں بھی انھوں نے شعر کے لئے جن چیزوں کو لازمی قرار دیا ان میں سادگی کو اولیت تھی۔ اور یہ بھی ایک بدیہی حقیقت ہے کہ ان کے لئے سعدی، غالب اور سرسید کی سادہ نثر ایک مثالی نثر تھی۔ ایسی سادگی جس پر رنگینی کو قربان کرنے کو دل چاہے۔ حالی کے اسلوب کی اس خوبی کا بھی ایک پس منظر ہے۔ اس کے پیچھے بھی محرکات کام کر رہے ہیں۔"(۱۴)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-04

"مقدمہ شعر و شاعری" گویا تنقید کی وہ پہلی کتاب ہے جس میں تذکروں کی عام روایتوں سے انحراف کا میلان نمایاں ہے۔ حالی نے مشرق و مغرب کے دانشوروں کے ادبی خیالات و نظریات سے استفادہ کرتے ہوئے تنقید نگاری کے ارتقاء کی راہیں ہموار کیں۔ آج بھی مقدمہ شعر و شاعری کی تنقیدی روایت جدید تنقید کو روشنی فراہم کرتی ہے جس میں تنقیدی نظریے اور تنقیدی عمل کی ساری مثالیں فراہم کی گئی تھیں۔ حالی نے پہلی مرتبہ شعر و شاعری سے زندگی کے رابطے کا اظہار شعوری طور پر کیا اور مدلل انداز میں اس کی وضاحت کی کہ شاعری اور سماج، شاعری اور اخلاق اور یوں شاعری اور زندگی ایک دوسرے سے گہرا رابطہ رکھتی ہے۔

مقدمہ شعر و شاعری میں حالی نے پہلی مرتبہ اعلیٰ شاعری کی خوبیوں کی نشاندہی کی اور معیاری شاعری کی شرطوں کو سامنے رکھا۔ حالی نے مروجہ اصناف سخن کی منجمد روایتوں کو پہلی مرتبہ موضوع تنقید بنایا اور اصلاح روایات کی ضرورت محسوس کی۔

مقدمہ شعر و شاعری اردو کی ان اہم اور معیاری کتابوں میں ہے جن کی اہمیت اور افادیت مسلم ہے۔ اس کو اردو میں تنقید کی پہلی کتاب کہا جاتا ہے۔ کیونکہ مقدمہ شعر و شاعری پہلی کتاب ہے جس میں شاعری کے بعض اہم مسائل پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ ہر چند کہ آج اردو میں تنقید کا سرمایہ بہت بڑھ چکا ہے تاہم حالی نے شاعری کے تعلق سے جو باتیں کہیں اس کے بعض پہلو آج بھی فکر انگیز معلوم ہوتے ہیں۔

زبان کا بنیادی مقصد انسان کے داخلی جذبات کی عکاسی کرنا ہوتا ہے اس کے لئے زبان کے پاس الفاظ کا ذخیرہ موجود ہوتا ہے۔ زبانیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنا ارتقائی سفر جاری رکھتی ہیں۔ جذبات کی ادائیگی کے لئے زبانیں مناسب اور بہتر سے بہترین الفاظ کے چناؤ کی طرف اپنا سفر جاری رکھتی ہیں۔ جو زبان مختصر الفاظ کی صورت میں زیادہ جذبات کی ادائیگی بجالاتی ہے۔ وہ لسانی طور پر اتنی ہی طاقت ور ہوتی ہے۔ زبانوں میں بعض دفعہ الفاظ اس قدر فصیح و بلیغ ہوتے ہیں کہ ان کے اندر ایک مکمل جہاں معنی پوشیدہ ہوتا ہے۔ وقت کے دورانیہ میں جب ایسے الفاظ زبان میں اپنا مقام و منصب بنالیتے ہیں تو یہ اصطلاحات کا روپ دھار لیتے ہیں۔

مولانا الطاف حسین حالی کا مقدمہ شعر و شاعری بنیادی طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اس کے پہلے حصہ میں ادب اور زندگی کے تعلق پر بات کی گئی ہے۔ اس حصہ کا بنیادی مقصد ادب اور سماج کے رشتہ کو واضح کرنا ہے۔ اس کے لئے مختلف زبانوں کے ادب سے ایسی مثالیں پیش کی گئی ہیں کہ جن کی روشنی میں اصلاح معاشرہ کا کام لیا گیا ہے۔ معاشرتی مسائل کے بیانیہ اور اس کے حل کی تلاش کی گئی ہے۔ عربی، فارسی، یونانی اور

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-04
ماخذ تحقیقی مجلہ

انگریزی ادب میں موجود وہ تصورات ادب کہ جن کی بنیادوں پر معاشرہ ترقی کرتا نظر آتا ہے حالی نے ان کو مقدمہ کے پہلے حصہ میں پیش کیا ہے۔ الغرض حالی کا مقصد ادب و سماج کا ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم کے طور پر پیش کرنا ہے۔

مقدمہ کے دوسرے حصہ میں شعر کی ماہیت پر بات کی گئی ہے۔ اور معیاری شعر و ادب کی تخلیق کے لئے ضروری اجزاء کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان تمام اجزائے ترکیبی کو مدِ نظر رکھا گیا ہے کہ جن کی بنیادوں پر شعر تشکیل پاتا ہے۔ ان اجزاء ترکیبی کا بغور جائزہ لیا گیا ہے۔ اور ان تمام اجزاء کہ جن کی وجہ سے مقصدی شعر تخلیق پاتا ہے ان کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اور وہ وجوہات کہ جن کی بناء پر شعر معاشرے کی اقدار سے دور چلا جاتا ہے۔

مقدمہ کے تیسرے حصے میں حالی نے شعری اصناف پر عملی تنقید کی ہے۔ اس میں تمام اصناف کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو اردو شعری ادب میں رائج ہیں۔ ان کی افادیت و مقصدیت کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ تمام شعری اصناف اور ان کے دائرہ کار اور پھر وہ اصناف کہ جن میں فکری پہلو زیادہ سموئے جاسکتے ہیں ان کو تنقیدی پیرائے سے گزارنے کی کوشش کی گئی ہے اور آخر میں تفصیل کے ساتھ غزل، قصیدہ اور مثنوی پر بات کی گئی ہے۔

حالی کی یہ تنقیدی دستاویز جو اردو کی پہلی نظری اور تنقیدی دستاویز ہے
اس میں یہ تین طرح کے تنقیدی افعال پر مشتمل ہے۔
(الف) ادب (شعر) اور زندگی / معاشرہ کا تعلق
(ب) شعر (ادب) کی ماہیت
(ج) اردو کی شعری اصناف پر عملی تنقید[۱۵]

الغرض مقدمہ میں وہ تمام کوششیں بروئے کار لاتا ہے کہ جن کی مدد سے ادب برائے زندگی کا نظریہ تقویت حاصل کر سکے اور ادب کے ذریعے قوم کی تعلیم و ترقی کو یقینی بنایا جاسکے۔ حالی کا مقدمہ شعر و شاعری کئی جہتوں کا متقاضی ہے۔ حالی نے مقدمہ میں جہاں سادگی و سلاست کو بروئے کار لایا وہاں ادبی اصطلاحات سے بھی نمایاں حد تک فائدہ اٹھایا۔ مختلف ادبی اصطلاحات کے استعمال کی روشنی میں شعر کی افادیت و ماہیت پر فکر کو اُستوار کیا گیا۔ حالی کی ان اصطلاحات کا بغور جائزہ لیا جائے تو ان کے پس پردہ سیاسی و سماجی محرکات موجود ہیں کہ جن کی بنیادوں پر یہ اصطلاحات مقدمہ میں اپنی جگہ بنا سکیں۔ حالی نے جن اصطلاحات کی مقدمہ میں استعمال کیا ہے۔ ان میں تخیل آمد، آورد، قوت ممیزہ، سادگی، اصلیت،، جوش، مبالغہ اور نیچرل شاعری جیسی اصطلاحات شامل ہیں۔

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-04
ماخذ تحقیقی مجلہ

حالی مقدمہ شعری و شاعری میں تخیل کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ حالی کے نزدیک کسی بھی شاعر کے لئے سب سے ضروری اور مقدم چیز قوت متخلیہ ہی ٹھہرتی ہے۔ یہاں حالی شاعر اور شاعر نما کے درمیان جو حد فاصل کھڑی کرتا ہے۔ وہ وقت متخلیہ ہی ہے اس کے بغیر کسی بھی مشاعرہ کا فرد اعلیٰ درجہ کا شاعر نہیں بن سکتا۔ حالی کا تصور تخیل ارسطو کے نظریہ نقل کی ارتقائی ہندوستانی شکل ہے۔ ان دونوں میں اشتراک قوتِ متخلیہ کی بنیاد ہی ٹھہرتی ہے۔ نظریہ نقل اور قوت متخیلہ دونوں ایک خاص مطلب کی خاطر استعمال میں لائے گئے جن کا بنیادی مقصد نئے زاویوں کی تلاش اور پھر اان نئے راستوں کی مدد سے قومیت کے نظریہ کو عروج بخشا ہی ہے۔

جس طرح ارسطو اصل کی نقل کرنے پر شاعر کی حمایت میں اترتا ہے اور اس اصل کو پھر معاشرے پر اطلاق کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یونان کے ادب (ڈراما) کی مدد سے یونانی قوم کے وقار کو بلند کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح حالی قوتِ متخیلہ کی اصطلاح کی روشنی میں تخیل سے مراد مثبت و اصلاحی مقصد تخیل لیتا ہے۔ کسی بھی موضوع کو نئے اور بلند زاویہ سے دیکھنے کی قوت کو شعر کا لازمی جزو قرار دیتا ہے۔ مگر یہاں حالی بھی تخیل کی بلندی کو فکر اور نظریہ کے تابع رکھتا ہے۔ اور جلد ہی اس قوت متخیلہ کو فکری پیرایہ میں ڈھالنے پر زور دیتا ہے۔ اس طرح شعر ایسے حالات میں وجود پاتا ہے کہ جو اپنی مٹی اور اس کے وسائل در وسائل سے جڑ جاتا ہے۔ اور قومی جذبات کا عکاس نظر آتا ہے۔ الغرض حالی قوتِ متخیلہ کی مدد سے مقصدی ادب کو پروان چڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح شعر کے اندر فکر و فن دونوں کی خصوصیات بطور جزِ لازم وجود رکھتی ہیں۔

جس وقت ہم مقدمہ شعر و شاعری کا بہ نظرِ عمیق مطالعہ کرتے ہیں تو ان کے ہاں ہمیں اس طرح کی تنقیدی اصطلاحات دکھائی دیتی ہیں۔

آمد: یہ شعری اصطلاح ہے۔ تخیل فن کے القائی نظریے کا حاصل آمد ہے۔ عموماً ایسا شعر آمد کا شعر ہوتا ہے جو شاعر کے ذہن میں بے ساختہ آئے اور اس کو اسی طرح لکھ لیا جائے۔

آورد: یہ شعری اصطلاح آمد کی نقیض ہے۔ آورد کے نتیجے میں شعر بہت غور و فکر سے مرتب ہوتا ہے۔ جب شاعر ارادی طور پر فکرِ سخن کر کے شعر کہے اور بعد میں اس کے الفاظ و بیان اور ترتیب و تنظیم پر غور کر کے اسے بہتر پیرائیہ میں ڈھالنے کی سعی کرے تو یہ آورد ہے۔

اسلوب: اسلوب، اظہار کی ذاتی انفرادیت ہے جس کے نتیجے میں ادبِ عالیہ وجود میں آتا ہے۔ یہ اصطلاح تمام فنونِ لطیفہ میں رائج ہے۔

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-04
ماخذ تحقیقی مجلہ

اصلیت: حالی نے اصلیت کی تعریف محسوسات کے بجائے متصورات پر رکھی ہے۔ ان کے خیال میں بیان میں اصلیت سے تجاوز کسی حد تک قابلِ برداشت ہے مگر بیان زیادہ تر اصلیت پر مشتمل ضرور ہونا چاہیے۔ اصلیت کسی تخلیق کا ایسا مصنف ہے، جس کی نقالی نہیں کی گئی۔

تخیل: یہ فنون کی سب سے اہم اصطلاح ہے۔ یہ شخصی صلاحیت ہے جو حقیقی اور مثالی چیزوں کی تصاویر کی نمائندگی کرتی ہے۔ یہ قوت جس قدر اعلیٰ درجہ کی ہو گی، اسی قدر اس کی تخلیق اعلیٰ درجہ کی ہو گی۔ وہ ذہنی وارده جو ظاہری حواس کی گرفت میں نہیں آتا، خلاق ذہن اسے متخیلہ کی مدد سے صورت میں دیکھتا ہے اور اپنے طور پر شکلوں کو عرف دیتا ہے۔ یہ تخیل ہے

تشبیب: یہ ایک مشرقی شعری اصطلاح ہے۔ تشبیب کا معنی شباب کا بیان ہے۔ اس میں وارداتِ عشق کا بیان ہوتا ہے۔ قصیدے کا اولین تمہیدی حصہ تشبیب کہلاتا ہے۔ جس کا ماخذ عربی ادبیات ہے۔

تشبیہ: یہ علم بیان کی ایک شاخ ہے۔ جس میں ایک چیز کو مشترک خصوصیات کی بنا پر دوسری چیز کے مانند قرار دیا جاتا ہے۔ اس سے پہلی چیز کی اہمیت کو واضح کیا جاتا ہے۔

تعلی: شاعر کا اپنے حق میں مبالغہ (خواہ ملیح ہو، خواہ قبیح) تعلی کہلاتا ہے۔ اس میں شاعر اپنی بڑائی جتاتا ہے۔

تمثیل: یہ ڈرامے کی اصطلاح ہے۔ شاعر اپنی وجدانی صلاحیت کی بنا پر تمثیل و تشبیہ کے ذریعے کائنات کے مشترک رشتوں کو دریافت کرتا ہے اور ان کی از سرِ نو تنظیم کے ذریعے نئی کلیات کو وجود میں لاتا ہے۔

ٹکسالی: ادبی اصطلاح کے طور پر ٹکسالی سے مراد وہ شہر ہے جس کی زبان کو مستند اور معیاری سمجھا جائے۔ اردو زبان کے لیے دہلی اور لکھنؤ کو ٹکسالی کا درجہ حاصل ہے اور ان مقامات کی زبان کو ہی خالص اور ٹکسالی قرار دیا جاتا ہے۔

جوش: حالی کے اپنے بقول جوش سے مراد یہ ہے کہ مضمون ایسے بے ساختہ انداز اور مؤثر پیرائے میں بیان کیا جائے، جس سے معلوم ہو کہ شاعر نے اپنے ارادے سے یہ مضمون نہیں باندھا بلکہ خود مضمون نے شاعر کو مجبور کر کے اپنے تئیں اس سے بندھوایا ہے۔

روزمرہ: اہلِ زبان کی گفتگو کا انداز روزمرہ کہلاتا ہے۔ یہ لسانیات کی اصطلاح ہے۔ اس میں تصرفات ممکن ہیں، تاہم اہلِ زبان جس سلیقے کے تحت زبان بولتے ہیں، روزمرہ کہلاتا ہے، خواہ وہ سلیقہ اور قرینہ قواعد وضوابط کے تابع ہو، نہ ہو۔

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-04

سادگی: محسوسات کے شارع عام پر چلنا، بے تکلفی کے سیدھے راستے سے پہلو تہی نہ کرنا اور فکر کو جولانیوں سے باز رکھنا، سادگی کہلاتا ہے۔ حالی کے نزدیک شعر میں بیان کردہ مضمون پیچیدہ نہ ہو اور اسے عام ذہن سمجھ سکے، اسکا مضمون معمول کی بول چال کے مطابق ہو۔ سادگی فن پارے کو فطرت کے قریب لاتی ہے۔

صوفی: ادب میں اہلِ تصوف کے نزدیک کلام میں صدق وصفا، اخلاص و محبت، خشوع و خضوع، فقر، توکل، صبر و رضا اور شکر وغیرہ کے موضوعات صوفی ادب تشکیل دیتے ہیں

مبالغہ: یہ ایک شعری اصطلاح ہے۔ مبالغہ حسنِ فن ہے اور اس کی بنیاد تخیل و تصور پر ہے۔ اس کے ذریعے کسی شے یا شخص کی بعید از قیاس تعریف یا مذمت کی جاتی ہے۔ آمد و آورد کی اصطلاح مقدمہ شعر و شاعری میں مستعمل ہیں۔ ان دونوں اصطلاحات کا جائزہ ایک ساتھ لینا اس لئے ضروری ہے کہ یہاں ایک دوسر ے کے لئے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ایک کے بغیر دوسری اصطلاح کا احاطہ کرنا مناسب نہیں ہو گا۔ آمد کا مطلب اچانک سے کسی خیال کا بطور شعر یا مصرع کے طور پر کسی شاعر کے دماغ میں آ جانا ٹھہرتا ہے۔ جب کہ آودر کا مطلب محنت و اکتساب کے مراحل سیگزرنے کے بعد خیال کا شعر کے پیرایہ میں ڈھلنا تصور کیا جاتا ہے۔

حالی کے مقدمہ میں شاعری میں آمد و آورد کے درمیان جو رشتہ موجود ہے وہ قوت متخیلہ کا ہی مرہونِ منت ہے۔ دونوں سطحوں (آمد و آورد) پر قوتِ متخیلہ کا وجود ضروری ہے۔ مگر ان کی وضاحت میں حالی آمد کی جگہ آورد کے شعر کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اس کی بہت ساری وجوہات اور محرکات ہیں کہ جن کی وجہ سے حالی نے آورد کی شاعری کو آمد کی شاعری سے مقدم رکھا ہے۔ حالی بنیادی طور پر ادب کے فکری پہلو کو زیادہ اہمیت دیتا ہے مگر یہاں حالی فن کو بھی پس پشت نہیں ڈالتا۔

یہ سب کچھ تحریک علی گڑھ کے اثرات کا نتیجہ ہی ہے۔ ماضی کے ادب میں آمد کا پہلو زیادہ اور آمد کے شعر یا مصرعہ میں فن اور جذبہ لاشعوری طور پر بلند رہتا ہے مگر زیادہ تر فکر کا زاویہ واضح نہیں ہو سکتا۔ تحریک علی گڑھ ادب کو بطور ترویج فکر کی خاطر استعمال میں لانے کی کوشش میں تھی۔ اس کی مدد سے ہندوستانی اور بطور خاص مسلمان قوم کی فلاح و ترقی کا کام لینا چاہتی تھی۔ ماضی کی شاعری میں گل و بلبل اور ہجر و وصال کی داستانوں کے سوا

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-04

انہیں کچھ نظر نہیں آتا۔ اس لئے تازہ کاری کی طرف شعرا کی ایسی تربیت کی کاوش کی گئی کہ جس کی مدد سے ادب برائے زندگی کے اغراض و مقاصد کی تکمیل ہو سکے۔

اس لیے حالی مقدمہ شعر و شاعری میں آمد پر آورد کو فوقیت دیتا ہے۔ اور دیگر زبانوں کے ادب سے ایسی مثالیں پیش کرتا ہے کہ جن میں بڑے بڑے قد آور شعراء اپنے آمد کے کلام کو آورد کی کاٹ چھانٹ اور متواتر تراش خراش کے بعد مختلف مقاصد کی خاطر عوامی حلقوں میں لے کر جاتے تھے۔ مقدمہ میں آمد و آورد کو فوقیت دینے کے پس پردہ سیاسی و سماجی مقاصد بطور محرک کے موجود ہیں۔

کسی بھی کلام کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اس نے معاشرہ کے کتنے طبقات تک رسائی حاصل کی ہے۔ اس کلام کا دائرہ اثر کتنے افراد کو اپنے احاطہ میں لا سکا ہے۔ معاشرے میں موجود افراد اپنی ادبی، علمی و فکری وسعتوں کے لحاظ سے ایک طبقات میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں۔

ایسا کلام کہ جس کا بیانیہ نہایت سادہ اور سہل ممتنع ہو اور اس میں فکری آہنگ اپنی انتہا تک پہنچا ہو حالی نے اس کو سادگی کی اصطلاح سے معمور کیا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ حالی کے عہد تک جو ادب شعری اسلوب کے حوالے سے تخلیق ہو رہا تھا اس کی دو اقسام تھیں۔ اعلیٰ درجے کا ادب یعنی مقتدر طبقہ کا ادب۔ اس میں عالم و فاضل اور دربار سے منسلک افراد شامل ہو جاتے تھے۔ مگر اس کا بیانیہ عام فہم نہ تھا۔ اس لئے نچلے طبقہ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ یہ دوسری قسم کو حالی عامیانہ ادب کے طور پر لیتا ہے۔ یہ وہ لوک ادب یا گلی محلہ میں پڑھایا گایا جانے والا ادب تھا کہ جس کا اسلوب تو عام فہم اور سادہ تھا مگر اس میں پھکڑ پن اور عامیانہ پن زیادہ اور فکری پہلو کا فقدان تھا۔ تو لہٰذا ایسا ادب بھی ایک خاص حلقہ تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔

حالی مقدمہ میں "سادگی" کی اصطلاح میں شعر کی تخلیق کے سلسلے میں مقتدرہ کے ادب سے فکر کو لے لیتا ہے۔ اور عوامی و لک ادب سے سہل ممتنع کی اصطلاح بطور اسلوبی بیانیہ کے شامل کرتا ہے۔ اس طرح اس اشتراکی ادب میں ایسا جو ہر نمودار ہوتا ہے کہ یہ اپنی وسعت کے لحاظ سے معاشرے کے ہر طبقہ کو اپنے دائرہ میں شامل کر لیتا ہے۔ اس لیے ایسے کلام کے اثرات اور اغراض و مقاصد واضع و آسان طریقہ سے ترسیل ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا "سادگی" کی مقدمہ شعر و شاعری میں جو بطور اصطلاح استعمال ہوئی ہے وہ ایک اجتہادی صورت کے طور پر موجود ہے جس کی مدد سے سیاسی و سماجی اغراض و مقاصد کی ترسیل کو آسان بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-04

کسی بھی ادب میں تخلیق شعر کے لئے سب سے ضروری چیز تخیل کو ٹھہرایا گیا ہے۔ اور تخیل کی پرواز قوتِ مبالغہ کے پروں سے ہی ممکن ہے یعنی تخیل کے لئے مبالغہ ایک ضروری جزو کے طور پر اپنا وجود رکھتا ہے۔ ''مگر ایسا شعر کہ جو تخیل کی فروانی اور مبالغہ کے اثرات کے تحت تخلیق کیا گیا ہو اور جس کی اصل تخلیق کار کی مٹی میں کسی بھی طرح پیوست ہو۔'' حالی نے شامل کیا ہے۔ یعنی وہ شعر کو ''اصلیت'' کی اصطلاح میں شامل کرتا ہے۔ یعنی وہ شعر کہ جو پرواز میں تو بلند ہو مگر سامع کے کسی بھی حواس کی روشنی میں کہیں نا کہیں ملاپ یا صداقت کا تصور رکھتا ہو۔ اصلیت کے دائرہ میں شامل ہو جائے گا۔

حالی مقدمہ میں "اصلیت" کی اصطلاح کو اجتہادی تصور میں سامنے لاتا ہے اور ماضی کے ادب کو حال اور مستقبل میں تخلیق ہونے والے ادب سے مربوط کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ تخلیق کار کبھی بھی تن تنہا کچھ تخلیق نہیں کر سکتا۔ اس کے تخلیق ہونے والے فن پارہ میں روایت کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے اور اگر روایت سے رشتہ ناطہ توڑ دیا جائے تو بالکل نئی بنیادیں استوار نہیں ہو سکتیں۔ "روایت و انفرادیت ہی ادب کا حسن ہے"۔

اصلیت کے تناظر میں حالی مقدمہ میں جو مثالیں سامنے لاتا ہے اس کی ظاہری سطح سے تو معاشرہ کے ساتھ کوئی رشتہ نظر نہیں آتا مگر اس کی باطنی پرت میں مختلف حواس کی روشنی میں جب مثالوں کو واضح کرتا ہے تو واقعتاً ان کا تعلق تخلیق کار (شاعری) کی وسبعیت سے جا کر نکلتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حالی یہاں شاعر کو زیادہ قید رکھنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ قاری یا سامع کو وسعت مطالعہ اور تنقیدی شعور بالغ کرنے کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ اور اب جبکہ شاعر سماجی ضرورتوں کے تحت شعر تخلیق کر رہا ہے تو سامع اس میں اپنی تنقیدی صلاحیتوں کی روشنی میں اس شعر کو اپنے وسیب اور معاشرہ و مقامیت سے ہم آہنگ کرنے کی سعی کرے۔

حالی نے مقدمہ میں "جوش" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ حالی کے مطابق شاعری میں جوش سے مراد خیال یا مضمون کا ایسا غیر ارادی بیانیہ کہ جس سے ایسے نظر آئے کہ شاعر نے شعوری طور پر مضمون نہیں باندھا بلکہ مضمون نے غیر ارادی طور پر شاعر کو مجبور کر دیا ہے۔ اس اصطلاح کا مقدمہ میں جو جواز نظر آتا ہے وہ شاعری کے اجزاء ضروری سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ ایسی شاعری کہ جو انسانی جذبات کی نمائندگی نہ کر سکے یا پھر اکثریت کے جذبات بیان کرنے سے قاصر رہ جائے تو اس قسم کی تخلیق کا شمار شاعری میں نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا شاعری کے لئے ضروری ہے کہ وہ جوش سے بھری اور تمام انسانی جذبات کو شدت کے ساتھ بیان کرنے کی قدرت

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-04

رکھتی ہو۔ یہ آورد کی شاعری کے نظریہ سے اختلاف رکھنے والی اصطلاح ہے۔ اس کا بنیادی مقصد شاعر کو قومی اصلاح کے لئے جذبات کو پورٹریٹ کرنے کے لئے تیار کرنا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ احمد دہلوی، سید، فرہنگ آصفیہ، مطبع رفاعِ عام، لاہو:۱۹۰۸ء، ص ۹۱

۲۔ کلیم الدین احمد، فرہنگِ ادبی اصطلاحات، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی:۱۹۸٦ء، ص ۱۰

۳۔ اشرف کمال، ڈاکٹر، تنقید نظریات و اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد:۲۰۱۹ء، ص ۱٦۸

۴۔ ابو سلیمان شاہجہان پوری، ڈاکٹر، مرتبہ، اردو اصطلاحات سازی کتابیات، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد: ۱۹۹۴، ص ۱۴

۵۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، (بتیسواں ایڈیشن)، ۲۰۱۸، ص ۱٦

٦۔ ساجد جاوید، اردو لسانیات و مستشرقین، لاہور: عکس پبلیکیشز ۲۰۱۹، ص ۱۳

۷۔ خلیل صدیقی، زبان کیا ہے؟، دہلی: عاکف بک ڈپو ۴۳۴۳ ٹیا محل، ۱۹۹۴، ص ۹

۸۔ خواجہ محمد زکریا، مختصر تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند، لاہو: پنجاب یونیورسٹی، (اشاعت دوم)، ۲۰۲۰ء، ص ۱۹

۹۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، (بتیسواں ایڈیشن)، ۲۰۱۸، ص ٦۰

۱۰۔ خواجہ محمد زکریا، مختصر تاریخِ ادبیاتِ مسلمانِ پاکستان و ہند، پنجاب یونیورسٹی پریس، لاہور: ص ۲۷۷

۱۱۔ احتشام حسین، مضمون، "چند باتیں۔۔۔ اس اشاعت کے حوالے سے" مشمولہ، مقدمہ شعر و شاعری، مرتبہ پروفیسر ڈاکٹر قاضی عابد، بیکن بکس، لاہور: ۲۰۱۴، ص ۷

۱۲۔ قاضی عابد، ڈاکٹر، مضمون، "حالی اور مقدمہ شعر و شاعری امتزاجیت کی اولین مثال"، مشمولہ، مقدمہ شعر و شاعری، مرتبہ پروفیسر ڈاکٹر قاضی عابد، بیکن بکس، لاہور: ۲۰۱۴ ص ۹

۱۳۔ سید عبد اللہ، ڈاکٹر، ولی سے اقبال تک، مکتبہ خیابان، لاہور: ۱۹۷٦ء، ص، ۲۵۹۔۲۵۸

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-04

۱۴۔ قاسم یعقوب ، مرتبہ: اردو میں اسلوب اور اسلوبیات کے مباحث، سٹی بک پوائنٹ ، لاہور: ۲۰۱۷،ص ۳۵۲

۱۵۔ قاضی عابد ،ڈاکٹر، مضمون، ''حالی اور مقدمہ شعر و شاعری امتزاجیت کی اولین مثال''، مشمولہ ، مقدمہ شعر وشاعری، مرتبہ پروفیسر ڈاکٹر قاضی عابد ،بیکن بکس،لاہور:۲۰۱۴،ص ۱۰